© rasailojaraid.com



# تبصرے

**ادب اور زندگی** | از احمد صدیق صاحب مجنوں گورکھپوری۔ تقطیع متوسط ضخامت ۱۶۷ صفحات کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ پتہ:۔ کتاب خانہ دانش محل امین الدولہ پارک لکھنؤ۔

آج کل "ترقی پسند ادب" یا "نیا ادب" کے عنوان سے ملک میں جس قسم کا لٹریچر فروغ پارہا ہے اس کی بے عنوانی کے لئے سندِ جواز کے طور پر اس نظریہ کو پیش کیا جاتا ہے کہ "ادب برائے ادب" کا نظریہ غلط ہے۔ ادب کو زندگی کا ترجمان ہونا چاہئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے ترقی پسند نوجوان ادیبوں کا یہ دعویٰ بڑی حد تک صحیح ہے لیکن اس سے جو نتیجہ وہ اخذ کرتے ہیں اور اس کو جس قدر ہمہ گیر بنا دیتے ہیں۔ ہر سنجیدہ آدمی کے لئے اس سے اتفاق کرنا مشکل ہے ضرورت اس کی تھی کہ "ادب اور زندگی" کے باہمی تعلق پر بے لاگ تنقیدی نگاہ ڈالی جائے اور یہ بتایا جائے کہ ادب کا تعلق زندگی کے کن کن شعبوں سے ہے اور اس تعلق کے مقتضیات کیا ہیں؟۔ مجنوں صاحب گورکھپوری بھی اپنے رجحانات کے اعتبار سے "ترقی پسند" ہی معلوم ہوتے ہیں لیکن عام ترقی پسند ادیبوں کے بالمقابل ان میں سنجیدگی اور متانت اور حقائق کا صبر وسکون کے ساتھ جائزہ لینے کی صلاحیت زیادہ ہے۔ مغربی ادبیات کے ساتھ انھوں نے مشرقی ادبیات کا مطالعہ بھی دقتِ نظر اور وسعت کے ساتھ کیا ہے۔ اس بنا پر اس کتاب میں انھوں نے جو کچھ لکھا ہے کافی غور وخوض کے بعد اور پراز معلومات لکھا ہے۔ وہ عام ترقی پسندوں کے خلاف اپنے ماضی سے بیزار نہیں بلکہ اس کی عظمت کے قائل ہیں اور اپنی جگہ پر اس کی افادیت کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ علاوہ بریں وہ اقتصادیات کو ہی ساری زندگی نہیں سمجھتے بلکہ اسے تو زندگی کی عمارت کا صرف ایک ستون مانتے ہیں اور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ "اور بہت سے عناصر اور بہت سی قوتیں زندگی میں کام کر رہی ہیں" چنانچہ لکھتے ہیں "میں ان لوگوں کا ہم آواز نہیں جو بھوک کو انسان کی واحد ضرورت



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اور روٹی کو اس کی زندگی کا تنہا سبب بتاتے ہیں" (ص ۱۲۱) لیکن ساتھ ہی یہ دیکھ کر ہمیں بڑی حیرت ہوئی اور افسوس بھی ہوا کہ آج کل کے بدنام ترقی پسند ادیبوں کی طرح وہ بھی مذہب اور روحانیت سے بیزار نظر آتے ہیں اور ان دونوں کو کارل مارکس کے لفظوں میں "افیون کی چسکی" قرار دیتے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اپنی اس کتاب میں انھوں نے جہاں کہیں مذہب یا کسی مذہبی کتاب کا تذکرہ کیا ہے ان کا انداز بیان حد درجہ قابلِ اعتراض اور گستاخانہ ہو گیا ہے۔ گنڈہ تعویذ کو "خیالی اور غیر واقعی" (ص ۴) کہنا تو خیر ایک معمولی سی بات ہے صفحہ ۶ پر کتبِ سماویہ کی نسبت لکھتے ہیں "اسی کے ساتھ ساتھ خرافات و اساطیر بھی زیادہ منضبط اور معقول و مدلل ہوتے گئے۔ یہ مذہبی دور تھا اور ژند اوستا، اسفار موسوی انجیل، قرآن اور دوسری الہامی کتابیں اس دور کے سب سے بڑے ادبی اختراعات ہیں" روحانی اور اخلاقی اقدار سے بدعقیدہ ہونے کے باعث مجنوں صاحب کے نزدیک "صبر و شکر" اور تسلیم و رضا۔ سب خود فریبی ہے" (ص ۴۲) معلوم نہیں ہمارے ان ادیبوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتا کہ مشرق کی شاعری اور ادب میں مغرب کی شاعری کے بالمقابل جو جوش، ولولہ اور لطیفِ زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں، اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ مشرقی افکار میں لادینیت نہیں ہے اس بنا پر اقبال مرحوم کے لفظوں میں اُن کے ہاں عشق زندہ ہے۔ بخلاف اہلِ مغرب کے کہ وہاں "مردہ لادینی افکار سے افرنگ میں عشق" کا منظر نظر آتا ہے۔

پھر خالص ادبی اعتبار سے مجنوں صاحب نے حالی اور نظیر اکبر آبادی کی شاعری سے متعلق جو خیالات ظاہر کیے ہیں ان پر بھی تنقید کی کافی گنجائش ہے۔ مثلاً ہمارے نزدیک یہ کہنا درست نہیں کہ "حالی نے زمانے کے ساتھ گھاٹے پر صلح کر لی اور اس کے ہر نشیب و فراز کو بغیر چون و چرا کے تسلیم کر لیا" (ص ۱۳۰) اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ "حالی کی شاعری فلسفہ اور تصوف سے بالکل خالی ہے" (ص ۱۲۸) ان سب سے قطع نظر ہمارے تعجب کی کوئی حد نہ رہی جب نظیر اکبر آبادی کے متعلق یہ عبارت ہماری نظر سے گذری لکھتے ہیں "نظیر نے ہندوؤں کے رسوم و روایات کی طرف زیادہ توجہ رکھی اس لئے کہ وہ دیکھ رہے تھے کہ ہندوستان کی معاشرت کے غالب عناصر یہی ہیں۔ نظیر نے یوں تو حمد و نعت، معجزہ حضرت علیؓ



© rasailojaraid.com